R. No. 218867
Regd. No. 922

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۲۳-۱۵-۱۹۶۳

جلد ۲۲ - شمارہ ۳۱	ایڈیٹر آل احمد سرور	۱۵ر اگست ۱۹۶۳ء

اداریہ

یوم آزادی

ہماری آزادی کو سولہ سال ہو گئے۔ اس عرصے میں ہم بہت کچھ آگے بڑھے۔ ملک میں ترقی ہوئی، قومی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ خواندگی کی شرح بڑھی۔ عمر کا اوسط بڑھا۔ ملک نے صنعتی دور میں قدم رکھا جمہوریت کے اصولوں پر عمل شروع ہوا۔ سوشلزم کی منزل کی طرف سفر جاری رہا۔ سماج کی اصلاح کی کوششیں تیز تر ہو گئیں۔ ہم نے سب سے دوستی کی وضع اختیار کی تھی اور توقع تھی کہ دوستی کا جواب دوستی سے ملے گا۔

مگر چین نے ہماری شمالی سرحدوں پر جو دست درازی کی، اُس سے واضح ہو گیا کہ ہماری صلح کل پالیسی، کچھ لوگوں کی نگاہ میں کمزوری ہے اور وہ ہمیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ اس کا بھی افسوس ہے کہ باوجود ہماری پوری کوشش کے پاکستان اب تک ہم کو شک شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور بلا وجہ ہمارے خلاف پروپیگنڈا کرتا رہتا ہے۔ ہم ہر اختلاف کو پُر امن طریقوں سے طے کرنا چاہتے ہیں اور اب بھی ہماری کوشش یہ ہے کہ سب ہمسایوں سے ہمارے دوستانہ تعلقات ہوں، لیکن ہمیں جو اصول اور آدرش عزیز ہیں اُنھیں ہم کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتے۔ نہ ہم یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ کوئی ملک ہماری مقدس سرزمین کے ایک انچ کو بھی ہتھیا لے۔ اس لئے آج آزادی کا یہ دن مناتے ہوئے ہمیں اپنے آپ سے پھر عہد کرنا ہے کہ ہم اپنی آزادی کی پوری حفاظت کریں گے، اپنے ملک کو اور مضبوط اور طاقت ور بنائیں گے، قومی بچاؤ کے لئے ہر ممکن تیاری کریں گے، چھوٹے چھوٹے اختلافات کو پس پشت ڈال کر ملک میں یک جہتی کی فضا قائم کریں گے اور ہر بیرونی خطرے کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔

یہ وقت خدمت کا ہے، ہنگامے کا نہیں، یہ مل کر کام کرنے کا وقت ہے۔ یہ گھر میں امن و اتحاد رکھنے کا اور باہر کے ہر خطرے کے لئے چوکنا رہنے کا وقت ہے۔ اس وقت بڑا وہ ہے جو قوم کو کچھ دے سکتا ہے وہ نہیں جو قوم سے ہر وقت مطالبہ کرتا رہتا ہے۔

اس وقت سب سے بڑا فرض اپنی آزادی کی حفاظت ہے اور سب سے بڑا کام ملک کو ہر طرح مضبوط بنانا۔ آج اس کے لئے ہم سب کو پھر سے عہد کرنا چاہیے۔

سہ لسانی فارمولے میں اُردو

ہماری درخواست پر اُتر پردیش کے محکمۂ تعلیم نے ہمیں، اس حکم کی ایک نقل بھیجی ہے جس میں سہ لسانی فارمولے کے نفاذ کے سلسلے میں تفصیلات درج ہیں۔ اس میں حسب ذیل باتیں اہم ہیں:

(۱) تیسری زبان میں اُردو اور سنسکرت دونوں شامل ہیں۔

(۲) اُردو لینے والے طلبہ کے لئے دو معیار رکھے گئے ہیں۔ جو لوگ پانچویں درجے تک اُردو پڑھ چکے ہیں، اُن کے لئے چھٹے درجے میں موجودہ نصاب اور کتابیں ہیں، جو لوگ یہ معیار نہیں رکھتے ان کے لئے پہلی اور دوسری بیسک ریڈریں رکھی گئی ہیں۔

(۳) تیسری زبان کے انتخاب میں اوّل تو سرپرستوں کی خواہش دیکھی جائے گی جو تحریری ہونی چاہئے دوسرے مناسب اسٹاف کی موجودگی، اس سلسلے میں لوکل بورڈوں کے اسکولوں میں

فہرست ہماری زبان
موجودہ شمارہ

تبادلہ بھی ہو سکتا ہے۔

(۴) سرپرستوں کی اکثریت جو زبان چاہے گی وہ پڑھائی جائے گی۔ جہاں سرپرستوں کی خاصی تعداد کسی اور تیسری زبان کی خواہش مند ہے، وہاں اس زبان کا بھی انتظام کیا جائے اور اس کے لئے موجودہ اسٹاف کے کام میں مناسب تغیر و تبدل کیا جائے۔ اور اس سال میں اور اگلے سالوں میں کام کے بار کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۵) آبادی کے بڑے مرکزوں میں ایک سے زیادہ تیسری زبان کا انتظام ممکن ہونا چاہیئے اور یہ تیسری زبان کچھ اسکولوں میں پڑھائی جانی چاہیئے۔

(۶) ثانوی اسکولوں کے پرنسپلوں اور لوکل بورڈ کے اسکولوں کے نگراں حضرات کا ایک جلسہ بلانا چاہیئے اور ہر اسکول میں موجودہ اسٹاف کی مدد سے جو زیادہ تر تیسری زبان پڑھائی جاسکتی ہے اُسے طے کرنا چاہیئے اور جلد ہی اس کی پڑھائی شروع کر دینی چاہیئے۔

(۷) جن اسکولوں میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ تیسری زبان، موجودہ اسٹاف کی مدد سے پڑھائی جاسکتی ہے اور اُس کے لئے ایک معقول تعداد کا مطالبہ ہے، اس زبان کے لئے انتظام ہونا چاہیئے اور اس کی پڑھائی بھی شروع کر دینی چاہیئے۔

(۸) اس سلسلے میں معلومات اور ضروریات کا ایک نقشہ جلد سے جلد ڈائرکٹر کو بھیجنا چاہیئے۔

ان احکام سے یہ واضح ہو گیا کہ اگرچہ سرپرستوں کی مرضی تحریری طور پر حاصل کی جائے گی، مگر اکثریت کی بنا پر فیصلہ ہوگا۔ یہ بات غلط ہے۔ ایک اور تیسری زبان کے لئے بھی انتظام ہو سکتا ہے مگر اس کے لئے جو شرطیں رکھی گئی ہیں وہ ایسی ہیں کہ زیادہ تر اسکولوں میں اُردو پڑھانے میں دقت ہوگی۔ اس سلسلے میں ہم اگلی اشاعت میں ضروری وضاحت کریں گے مگر فی الحال ہم اُردو دوستوں کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ سرپرستوں کی طرف سے اُردو کے انتظام کے لئے اسکولوں میں بڑی تعداد میں درخواستیں دلوائیں۔ یہ کام سب سے اہم ہے، باقی کام بعد میں ہو سکتے ہیں۔

اُردو ادب ــــ آزادی کے بعد

ملک کے مشہور و معروف شاعر فراق گورکھپوری نے آزادی کے بعد اُردو ادب کی ترقی پر "انڈین ایکسپریس" میں ایک پُر مغز اور سیر حاصل مقالہ قلمبند کیا ہے جس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:۔

آزادی کے بعد جان لیوا آزمائشوں سے گزر کر اُردو ادب پہلے سے زیادہ ترو تازہ ہو کر اُبھرا۔ اس نے نظم و نثر کی مختلف اصناف میں اپنے اندر چھپے ہوئے کی حیرت انگیز طاقت و صلاحیت کا ثبوت دیا اور ادب نئے نئے میدانوں اور تازہ بتازہ مرغزاروں کا پتہ لگایا۔ تقسیم ملک کے جانکاہ حادثے کے بعد اُردو کے پرانے محافظوں نے ہوشیاری اور بیداری کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔ یگانہ جگر، جوش اور اسی قبیل کے دوسرے معاصرین کے شاعرانہ کارنامے آزادی سے بہت پہلے شہرت و مقبولیت کی معراج پر پہنچ گئے تھے۔ پھر اُردو شعراء کی ایک اُبھرتی ہوئی نسل میدان میں آکر امتیازی خصوصیت حاصل کرنے لگی۔ زمانے کے ساتھ ساتھ اُن کے کلام میں پختگی پیدا ہوتی رہی۔ اُن کے کلام میں خواب غفلت سے چونکا دینے والی ایک قومی اور بین الاقوامی آواز جرس کی گونج سنائی دیتی۔ اُس میں تقسیم ملک کے دردناک حادثے پر دلیرانہ اظہار ملال، نئے ہندوستان میں عوام کی بدحالی کا احساس، سماج کی خرابیوں سے آگاہی، امید و بیم کا ایک نیا ماحول، ایک نئی حقیقت شناسی اور نئی اُبھرتی ہوئی زندگی کی متحرک تصویریں پائی جاتی ہیں۔

مہاتما گاندھی کی شہادت نے ایسے دردناک اور اثر میں ڈوبے ہوئے مرثیوں کو جنم دیا جن کی مثال کسی دوسرے ادب میں بہت کم ملے گی۔ چین کے غدارانہ حملے نے اُردو شعراء کے احساس و جذبات کو بُری طرح جھنجوڑا۔ اس موضوع پر جو جذبات انگیز اور ولولہ خیز نظمیں لکھی گئی ہیں ان کی مثال دوسری زبانوں میں ملنا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اس سے زیادہ اہمیت کے قابل اُردو شاعری میں قومی بیداری کا ایک نیا رنگ اور آہنگ ملتا ہے۔

جدید اُردو شاعری نے اس کلیاتی زمانے میں ایٹمی جنگ کے نتیجے میں عالمگیر تباہی کے خطرے سے آگاہ کرنے اور امن و امان کی اہمیت کو واضح کرنے میں سب سے زیادہ نمایاں کام انجام دیا ہے۔ موجودہ زمانے کی اُردو شاعری صحیح معنوں میں عالمی اور کائناتی آگاہی اور خبرداری کا پتہ دیتی ہے۔ جدید اُردو شعراء کے کلام میں آزادی کے بعد ایک نیا انداز فکر، ایک نئی ہندوستانی تہذیب ایک نئی روشنی اور ایک نئی زندگی اُبھرتی نظر آتی ہے۔

اسی طرح اُردو مختصر افسانہ نگاری میں اردو کے ادیبوں نے قومی احساس اور جذبات کو بیدار کرنے میں نمایاں کارنامے انجام دئے اور پریم چند کے لائق جانشینوں کی حیثیت سے قابل قدر کامیابی حاصل کی ہے۔ ان میں ہندوستان کی بھرپور زندگی اور حقیقت کی رنگا رنگی کی جھلک نمایاں ہے ان میں اُردو نثر کے شک و شبہ سے بالاتر ہر قسم کے اظہار خیال کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے جس کا ایک صدی پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان ادیبوں کے کارناموں نے ہندوستانی زندگی کا کوئی گوشہ تاریکی میں نہیں چھوڑا۔

بیسیوں ادیبوں نے ناول نگاری کے ادب میں بھی قابل قدر اضافہ کیا ہے۔

ادبی تنقید اور ادبی تاریخ نگاری میں بھی نمایاں کام ہوا ہے۔ صاحب نظر ناقدین اور مورخوں کی ایک جماعت نے مغربی ادیبوں کی ادبی تنقید کے اصولوں اور عمل کے مطالعہ کا کامیاب اور نتیجہ خیز ثبوت دیا ہے۔

طنز و مزاح کے میدان میں بھی نظم و نثر کے اندر بڑی قابل قدر کاوشیں کی گئی ہیں، اور ہنسی ہنسی میں ہزاروں قارئین کو راہ ہدایت دکھائی ہے۔

(انڈین ایکسپریس سے)

ابو علی، اعظم گڑھ

عبدالعلی آسی مدراسی

سمجھ میں نہیں آتا، کہ اپنے ہفوات کے بعض مسامحات کے لئے کن الفاظ میں معذرت کروں، آسی غازی پوری کا نام ثم مدراسی کے ساتھ، اُن سے منسوب ایک غزل کے مطالعے کے بعد سے میری زبان پر چڑھا ہوا ہے، اور وہ اُن کے ایمان سخن موجودہ کتب خانۂ دار المصنفین کا "ہماری زبان" مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۶۱ء میں تعارف کراتے ہوئے میری زبان قلم پر آیا، اور لکھ گیا۔ میں غیر شعوری طور پر اس کو اتنا صحیح سمجھتا تھا کہ کبھی اس کی تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی اب بعض فضلائے عصر کی گرفت پر، لوگوں سے اس کے متعلق پوچھتا ہوں تو کہیں سے میرے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا ہے۔

دورِ متوسط کے اُردو کے تذکرے تو الگ رہے، اس دَور میں جو تذکرے لکھے گئے ہیں، اُن میں بھی حیرت انگیز طور پر ان کے ذکر سے اغماض برتا گیا ہے۔ دورِ متوسط کے تذکروں میں مولانا عبدالسلام ندوی کی شعر الہند، اور مولانا عبدالحی صاحب نزہۃ الخواطر کی گل رعنا کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ ان میں قریب قریب تمام شعراء کا ذکر، اور ان کا منتخب کلام آگیا ہے، لیکن ان کا کہیں ذکر نہیں، اوّل الذکر میں تو بعض شعرائے حال کا بھی ذکر آگیا ہے، یہاں تک کہ مولانا محمد علی تک کا اس میں بحیثیت شاعر کے ذکر آیا ہے اور ان کے کلام کی خصوصیات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، حالانکہ وہ اپنے دور کے اُردو کے شعرا کی صف میں شامل نہیں، اور نہ شاعری کو انھوں نے کبھی اپنی ساری عمر اپنا پیشہ اور مشغلۂ زندگی بنایا۔ لیکن نہیں ذکر ہے تو آخری دور کے بعض حیثیتوں سے ممتاز شاعر جناب آسی غازیپوری کا۔ جن کا اُردو کی لغت گوئی میں ایک پایہ ہے جس کو اُردو کا کوئی صاحبِ ذوق نقاد کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔

یقیناً وہ غازی پور کے حدود سے جن میں کبھی ان کا اصل وطن سکندرپور بھی شامل تھا، نہیں نکلے۔ ان کی آخر زندگی شہر غازی پور میں گزری اور وہیں اُن کا مدفن اور مرقد بھی بنا جو آج تک مرجع خلائق ہے، اور ان کا ہر سال باقاعدہ عرس بھی ہوتا ہے، اور پھر ان کا نام عبدالعلیم تھا عبدالعلی نہیں تھا جن کا تخلص بھی آسی تھا، اور وہ مدراس کے رہنے والے تھے، ان کے تخلص آسی سے تشابہ پیدا ہوا، اور میں نے سمجھا کہ آسی مدراسی یہی ہیں، اور مدراس آنے جانے کی وجہ سے اس کی نسبت سے ان کو مدراسی بھی لکھا جاتا ہے، جو بلاشبہ صحیح نہیں تھا۔ جس کی طرف خاص طور سے مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب صدق جدید اور بشیر الحق صاحب دسنوی نے مجھے توجہ دلائی۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے مجھ کو لکھا کہ "شاہ آسی غازی پوری کو میرے علم میں کسی نے مدراسی نہیں لکھا، آسی مدراسی ایک بالکل دوسرے صاحب تھے، انہی کے معاصر، نام عبدالعلی اصلاً مدراسی، لیکن ساری عمر لکھنؤ میں گزاری، تاریخ گوئی کے امام اور عربی ادب کے فاضل، شعر عربی میں کہتے تھے، اور شاید پہلا عربی رسالہ بھی انہی نے نکالا تھا، البیان، ابعد کو اس البیان کے اڈیٹر عبداللہ عمادی رہے، مولانا شبلی سے خاص تعلق رکھتے تھے، اور الندوہ انہی کے آسی پریس میں چھپتا تھا، ان کے بعد، اُن کے لڑکے عبدالولی اس پریس کو چلاتے رہے، چھوٹے لڑکے لکھنؤ یونی ورسٹی میں فارسی کے استاد ہوگئے تھے، شاعر بھی تھے، یعنی عبدالقوی فانی ایم۔ اے،

ناموں میں التباس کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔ مدتوں لوگ ہمارے مولوی عبدالباری ندوی (صاحب برکلے اور مبادی علم انسانی) کو فرنگی محلی سمجھتے رہے، اور مولوی حکیم عبدالحی (ناظم ندوۃ العلماء) کو مولانا عبدالحی فرنگی محلی سمجھنے والوں کی اب بھی کمی نہیں۔ (۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۱ء)

اس تخلص کے درحقیقت دو بزرگ لکھنؤ میں گزرے ہیں ایک تو وہی عبدالعلی آسی، جو بقول مولانائے دریابادی کے عبدالعلیم آسی غازی پوری کے معاصر تھے، اور دوسرے مولوی عبدالباری آسی سکریٹری انجمن خاصان ادب لکھنؤ، جنھوں نے مکمل شرح دیوان غالب کے نام سے دیوان غالب کی شرح لکھی ہے، جو طباطبائی اور حسرت کی شرحوں کی طرح مستند سمجھی جاتی ہے، اور غالب کے بعض مشکل اور دقیق اشعار کے سمجھنے میں اُس سے بڑی مدد ملتی ہے، عبدالعلی آسی رہنے والے تو مدراس کے تھے لیکن بود و باش انھوں نے لکھنؤ میں اختیار کرلی تھی، اور وہیں ایک پریس قائم کیا تھا جس کا نام ان کے تخلص کی رعایت سے آسی پریس تھا، مولانا سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں الندوہ کی طباعت کے سلسلے میں اُن کا اور اُن کے پریس کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن پریس کا نام انہوں نے اصح المطابع لکھا ہے، جو قطعاً صحیح نہیں ہے، معلوم نہیں ان جیسے محقق سے یہ سہو کیسے ہوگیا۔ پریس کے ساتھ ایک مکتبہ بھی تھا، جس میں آسی پریس کی مطبوعات فروخت ہوتی تھیں، یہ عربی و فارسی میں بھی تھیں، اور اُردو میں بھی، عربی و فارسی کی مطبوعات زیادہ تر درسیات سے متعلق تھیں، آسی پریس میں جو اُردو کتابیں چھپیں اُن میں مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کا مشہور ناول فلورا فلورنڈا بھی ہے جس میں اسپین میں اسلامی فتوحات کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ اُردو کی کتابوں میں ایک کتاب تذکرۃ الحمام تھی اس میں کبوتر بازی کا بیان اس کے مسائل متعلقہ کی تشریح، اور پھر کبوتر بازوں کے لئے جو وعید آئی ہے،

اس کو عام فہم اردو میں بیان کیا ہے۔ ایک کتاب خسا بالبسیر تھی جس کے متعلق اس کے ایک اشتہار میں لکھا ہے کہ علم حساب میں آج تک ایسی جامع و ضخیم کتاب نہیں تصنیف ہوئی۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کی اس میں توضیح نہ ہو اور فنون حساب میں کوئی ایسی فرع نہیں، جس کا مستقل بیان نہ ہو، کتاب نہایت محققانہ ہے، اس کے دیکھنے سے پتہ چل سکتا ہے کہ مسلمانوں نے حساب میں جن کو بدقسمتی سے اس زمانے میں اس فن سے بے گانہ سمجھا جاتا ہے، کتنی حیرت انگیز ترقی کی تھی۔

عبدالعلی آسی مدراسی اپنے اس پریس سے اپنے اہتمام میں البیان نام کا ایک رسالہ بھی نکالتے تھے جس کے اڈیٹر عربی و اردو کے مشہور اہل قلم اور مضمون نگار شیخ عبداللہ العمادی تھے، جو عربی ادب میں انہی آسی مدراسی کے شاگرد تھے اور عربی ادب کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ یہ رسالہ دو کالمی ہوتا تھا، یعنی اس میں ایک طرف عربی ہوتی تھی اور ٹھیک اُس کے مقابل دوسری طرف اردو میں اُس کا ترجمہ دیا جاتا۔ پورے ہندوستان میں عربی کا پہلا ماہوار رسالہ تھا جو نہایت ذوق و شوق سے عربی کے تعلیم یافتہ حلقوں میں پڑھا جاتا تھا، اس کے چھٹے سال ۱۳۲۲ھ کی ایک جلد دارالمصنفین کے کتب خانے میں بھی ہے جو اس سال کے بارہ پرچوں پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ جیسا کہ اس کے ٹائٹل پیج پر ہمیشہ درج رہتا تھا، علمی، اخباری، تاریخی اور سیاسی سب کچھ تھا اس میں چھوٹی چھوٹی خبریں بھی نہایت اہتمام سے چھپتی تھیں، یہ ندوہ کے فضلائے ادب کا بھی لوح مشق تھا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی اس میں مضامین لکھے تھے۔ پہلے یہ پندرہ روزہ تھا جس پر بڑا صرفہ آتا تھا، بالآخر اس کے چھٹے سال میں کثرت مصارف کی وجہ سے مجبوراً ماہوار کر دیا گیا، اور قیمت بجائے چار روپے کے تین روپے کر دی گئی۔ اس کے علاوہ اس میں کچھ اور زیادہ معنوی تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ ان ظاہر و معنوی تغیرات اور تبدیلیوں کا اس کی اشاعت اور مصارف پر کیا اثر پڑا اس کا بتانا مشکل ہے، اس میں ایک خاص بات اور تھی کہ مضامین کے ساتھ مضمون نگاروں کے نام نہیں لکھے جاتے تھے۔ میرے پیش نظر جو جلد ہے، اُس کے تمام پرچوں میں مضامین کے ساتھ ان کے مضمون نگاروں کے نام نہیں لکھے ہیں، اس لئے اس کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے کہ اڈیٹر کے علاوہ اور کن کن لوگوں کے مضامین اس میں شائع ہوئے ہیں، اس میں خود مولانا عبدالعلی آسی مرحوم بھی جو عربی ادب کے فاضل اور استاد تھے اور "لا ندوہ" کا ایک وسیع حلقہ رکھتے تھے، مضمون ضرور لکھتے رہے ہوں گے،

لیکن اس کی نشان دہی کے لئے مستقل ریسرچ کی ضرورت ہے مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے مکتوب میں عربی میں ان کی شعرگوئی کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن ہزار تلاش و جستجو کے بعد بھی ان کی عربی نثر و نظم اور شعر و ادب کا کوئی نمونہ ہم کو نہیں ملا آسی کے تخلص سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو میں بھی وہ ضرور طبع آزمائی کرتے رہے ہوں گے؛ لیکن ان کا اُردو کلام بھی کہیں سے ہم کو دستیاب نہیں ہوا۔ بہر حال عربی و اردو شاعری میں ان کا جو بھی رتبہ رہا ہو، لیکن انھوں نے اپنے پریس کے ذریعے اُردو زبان کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں، اور فارسی و عربی کی درسی و کلاسیکل کتابوں کے ساتھ انھوں نے بہت سی اُردو کتابیں بھی اپنے پریس میں چھاپ کر شائع کیں، آسی پریس میں جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں، اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے مذکورۂ بالا مکتوب میں اپنی ذاتی واقفیت سے لکھا ہے کہ ندوۃ العلماء کا مشہور علمی و تاریخی و تعلیمی آرگن بھی چھپتا تھا، جس کے اعلیٰ علمی، تنقیدی اور تاریخی مضامین کی جو بیش تر مولانا شبلی کے قلم کے ہوتے تھے، سارے ملک میں بڑی شہرت تھی، اور ہندوستان کے اعلیٰ علمی حلقوں میں بہت ذوق و شوق سے پڑھا جاتا تھا اور اس کی بڑی قدر تھی، اس میں جس کا بھی مضمون چھپتا تھا وہ ملک میں چمک جاتا تھا، خود عبداللہ عمادی بھی اسی رسالے کے ذریعے ملک میں روشناس ہوئے، وہ ایک زمانے میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالسلام ندوی کی طرح الندوہ کے سب اڈیٹر بھی رہے، اور اس حیثیت سے انھوں نے الندوہ میں بعض بیش قیمت مضامین بھی لکھے اور ان مضامین نے قبول عام کی سند حاصل کی مثلاً اعجاز القرآن اور علم مناظرہ وغیرہ۔ مولانا شبلی کی بارگاہ علمی میں ان کو بھی اختصاص حاصل تھا، اور مولانا شبلی ان کی صلاحیتوں کے بڑے قدردان تھے، آخر میں ان کا تعلق عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے دارالترجمہ سے ہو گیا تھا، اور انھوں نے وہاں عربی تاریخ کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا۔ (باقی صفحہ)

سید حرمت الاکرام

یومِ آزادی

۱۵؍اگست

رفعتِ نو کی طرف مائلِ پرواز ہوئی
زندگی توڑ کے زنجیرِ ستم آج کے دن
لکھنے کو آیا، نئے دور کی روشن تاریخ
وقت نے سونپ دیا ہم کو قلم آج کے دن
کروٹیں روح میں لیں ذوقِ پرستاری نے
اپنے آذر نے تراشا وہ صنم آج کے دن
لے کے انگڑائی اٹھا خود نگری کا پندار
سرخرو بزمِ جہاں میں ہوئے ہم آج کے دن
چھاؤں میں اپنے ترنگے کی سجایا ہم نے
خواب زاروں کو باندازِ ارم آج کے دن
ہم نے افسردہ شراروں کو بنایا شعلہ
کھائے جگنو کی عظمت کی قسم آج کے دن
سربلندوں میں سرافرازوں میں سرداروں میں
اہلِ بھارت کا ہوا نام بھی ہم آج کے دن

آج کرنا ہے پھر اک بار یہ پیمان ہمیں
سربلند و سرافراز رہیں گے یونہی
اپنی منزل کی طرف دل میں لئے شعلۂ نو
ہمدم موجِ تگ و تاز رہیں گے یونہی
ارتقاءِ شوق کے ہر تار کو کھنکائے گا
اہلِ دل زمزمہ پرداز رہیں گے یونہی
یونہی ہمدوشِ انجم پہ رہیں گے نازاں
ساز و دوراں کے ہم آواز رہیں گے یونہی
بن کے آفاق میں ابھریں گے نوائے فردا
ہم فلک گیر و جہاں ساز رہیں گے یونہی
ڈوب جائیں گے پاتال میں بھارت کے حریف
دوستو ہم مائلِ پرواز رہیں گے یونہی
سر ہتھیلی پہ ہمالہ کی ترائی میں لئے
خطۂ ہند کے جانباز رہیں گے یونہی

مادرِ ہند! ترا مان نہیں جائے گا
جان جائے گی، یہ پیمان نہیں جائے گا

ذکاء الدین شایاں

آمدِ بہار

مضمحل، خشک، زرد رو پتہ
رات کی بے کراں خموشی میں
شاخ سے ٹوٹ کر زمیں پہ گرا
وقت کی آنکھ کا کوئی آنسو
دامنِ شب پہ جیسے ٹھہر گیا!

اک دھماکہ ہوا فضاؤں میں
ذرے ذرے نے چونک کر دیکھا
سرسراتی ہوا لرز اٹھی
غنچۂ گل کا دل دھڑکنے لگا
ہو گیا تار تار شب کا سکوں!

چند لمحوں کے بعد اک نغمہ
دھیما دھیما سا جاں فزا نغمہ
خامشی کے مہیب زخموں سے
اک نئی لے کے ساتھ رسنے لگا
مسکرانے لگی تمام فضا!
کائنات اپنے غم کو بھول گئی!

ایم۔کو ضیا وی راہی

غزل

پھول جیسے کبھی ہو تم وہ اک ظالم انگارہ ہے
بھول کے بھی مت ہاتھ لگانا رنگ جتنا گر پیارا ہے
ہونٹ کی سرخی، آنکھ کا کاجل، خم لہراتی زلفوں کا
جانے کس کے خواب کی زینت، اب یہ روپ تمہارا ہے
دل کے نگر میں دیپ جلائے ایسا کوئی ہمدرد نہیں
ویسے تو دمساز ہمارا، ہر معصوم ستارا ہے
میں اک درماندہ شاعر ہوں، لیکن میرے گیتوں نے
دنیا کے مغلیں لوگوں کو اکثر ہنس کے پکارا ہے
گھوم رہا ہے گلشن گلشن ایک جگہ ٹھہرا وہ نہیں
یارو اچھے سمے کی صورت موسم بھی آوارا ہے
رات اگر شر نگار نہ کرتی تو ہم بھی کچھ سو لیتے
دیکھ کے اس کے چاند ستارے دل آنکھوں نے ہارا ہے
میں ہی ایک نئی دنیا کا راہی تھا لیکن کل رات
دل نے کہا تھا جھوم کے مجھ سے، چاند بھی اک بنجارا ہے

اسرار اکبرآبادی

تصویریں

(۱۵راگست کا تحفہ)

میں ظلمتوں میں سمجھ رہا تھا، سحر کا منظر حسین ہوگا
دلوں کے ساغر کھنک اٹھیں گے، نظر نظر میں یقین ہوگا

حسین اوشا کی سرخ پریاں زمیں پہ آئیں گی پیار لے کر
گداز باہوں کے دائرے میں وفا کے پھولوں کا ہار لے کر
روش روش پر قدم قدم پر، چمن میں حسنِ بہار لے کر

ہوا میں نغموں کا سوز ہوگا، فضا میں رقصِ شراب ہوگا
تمام کلیاں جوان ہوں گی، گلوں پہ رنگِ شباب ہوگا
خوشی کے غنچے مہک اٹھیں گے، ہر ایک چہرہ گلاب ہوگا

خلوص کی جگمگاتی کرنیں فسردہ منظر نکھار دیں گی
تمام رنگینیوں کے جلوے نگر نگر میں اتار دیں گی
جہاں میں شمعِ وفا جلا کر دلوں کی محفل سنوار دیں گی

وہ وقت آئے گا شاخِ گل پر اداس بلبل چہک اٹھے گی
لبوں پہ نغمے مچل اٹھیں گے، سروں کی دیوی بہک اٹھے گی
پلا کے آنکھوں سے مست نرگس لہک لہک کر مہک اٹھے گی

کلی کلی پر گلِ حسیں پر، بہار رنگِ شباب ہوگی
چمن کی جادو بھری فضا میں صدائے چنگ و رباب ہوگی
زمیں کی چھاتی دھڑک اٹھے گی فلک کے شیشے پہ آب ہوگی

ہر ایک منظر میں نور ہوگا، ہر اک فضا میں سرور ہوگا
ہر ایک جلوہ حسین ہوگا، وہ پاس ہوگا کہ دور ہوگا
تمام فطرت مچل اٹھے گی، تجلیوں کا ظہور ہوگا

میں ظلمتوں میں سمجھ رہا تھا سحر کا منظر حسین ہوگا
دلوں کے ساغر کھنک اٹھیں گے نظر نظر میں یقین ہوگا

مگر سویرا ہوا تو دیکھا شفق کے شیشے میں مے نہیں ہے
ہوا کی سانسیں رکی رکی ہیں، غموں میں ڈوبی ہوئی زمیں ہے
فضا میں شعلے لپک رہے ہیں، ہر اک اداس و دل حزیں ہے

چمن کے مالی نے مست غنچے چٹکتی ڈالی سے توڑ ڈالے
عروسِ شبنم کا دل جلا کر گلوں کے ساغر بھی پھوڑ ڈالے
کہیں پرندوں کے نرم بازو قفس کے اندر ہی موڑ ڈالے

کہیں پہ بلبل کا شورِ ماتم، کہیں پہ آنسو، کہیں پہ آہیں
کہیں پہ غربت، کہیں پہ نفرت، کہیں پہ کھوئی ہوئی ہیں راہیں
کہیں پہ خنجر، کہیں پہ کانٹے، کہیں پہ الجھی ہوئی ہیں باہیں

کہیں کمانیں تنی ہوئی ہیں کوئی بھی طائر زباں نہ کھولے
وہ مستیوں میں چہک نہ پائے، کلی حزیں سے کبھی نہ بولے
لبوں پہ شکوہ، نظر پریشاں، فلک پہ اڑنے کو پر نہ تولے

کہیں پہ رہبر بنے ہیں رہزن، کہیں پہ چھایا ہوا دھواں ہے
کہیں پہ کلیاں تڑپ رہی ہیں، لہو میں ڈوبا ہوا سماں ہے
فلک کے آنسو چھلک رہے ہیں فضا بھی آمادۂ فغاں ہے

میں ظلمتوں میں سمجھ رہا تھا سحر کا منظر حسین ہوگا
مگر سویرا ہوا تو دیکھا شفق کے شیشے میں مے نہیں ہے

مرے چمن کے مہکتے پھولو! شفق کے شیشے کو مے سے بھر دو
روش روش کو، ڈگر ڈگر کو تم اپنے دم سے گلاب کر دو
تمام مستی چھپی ہو جس میں کلی کلی کو وہی نظر دو

فضا تمہاری، ہوا تمہاری، چمن تمہارا ہے تم چمن کے
تمہیں ہو مالی، تمہیں ہو رہبر، تمہیں نگہباں ہر ایک تن کے
تمہیں ہٹاؤ گے ساری ظلمت، چمکتے تارے ہو تم گگن کے

دلوں سے خوفِ خزاں مٹا کر بہار رنگِ شباب لاؤ
مرے چمن کے مہکتے پھولو شراب لاؤ، شراب لاؤ

احمد رئیس اجمیری

غزل

ڈالی ہے نئی طرح نئے طرزِ سخن سے
ہے ایک نیا دور عبارت مرے فن سے

کیوں وقت کے آئینے پہ چھائی ہے شکن سی
لپٹی ہے مری ذہنیت بھی ظلمت کے کفن سے

کرتے رہے آباد ہمیشہ محبس و زنداں
خائف تو نہیں اہلِ جنوں دار و رسن سے

کس شہرِ اداسی میں چلے آئے ہو یارو
لگتے ہیں یہاں لوگ تو آوارہ وطن سے

حاصل ہے کبھی مجھ کو ترے قرب کے لمحے
مانوس رہا ہوں تری خوشبوئے بدن سے

بقیہ: عبدالعلی آسی مدراسی

البیان کے چھٹے سال کی جو جلد کتب خانہ دارالمصنفین میں محفوظ ہیں، اُس کے بعض قابلِ ذکر مضامین یہ ہیں :

شاعرہ اور ابنِ رشد، (میرے خیال میں غالباً یہی سب سے پہلا اُردو میں ابنِ رشد کا پہلا تعارف ہے)، امریکہ و علمائے عرب۔ سب سے پہلا اسلامی بیڑہ اور مسلمانوں کی ابتدائی جہازرانی۔ الدقائق فی الحقائق مسیحیت و اسلام کے متعلق ایک عربی کتاب پر تبصرہ۔ احادیث میں کوئی بات خلافِ عقل نہیں، بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی ضرورت نہیں۔ اسلام میں کتابوں کی تالیف و تصنیف کی ابتدا پہلی صدی ہجری میں ہوئی۔ تاریخِ اسلام کا ایک سبق۔ ابوعطاء سندی۔

یہ تمام مضامین مضمون نگاروں کے نام کے اظہار کے بغیر چھپے ہیں، اس لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے، کہ یہ کُل کے کُل اڈیٹر ہی کے قلم کے ہیں، یا دوسروں کے بھی ہیں، معلوم نہیں مضمون نگاروں کے نام کے عدمِ اظہار میں کارکنانِ رسالہ کی کیا مصلحت تھی، اس کے بہت عرصے کے بعد ۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام کا الہلال کلکتہ سے نکلا، تو اس میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا جس کی وجہ سے اُس کے بعض مضامین کی ملکیت میں آج تک نزاع ہو رہا ہے۔

ابتدائی سطروں میں آسی سے منسوب جس غزل کے مطالعہ کا ذکر میں نے کیا ہے، اب اس کا ایک ہی شعر پورے طور پر مجھے یاد رہ گیا ہے۔

فاتحہ مرقدِ آسی پہ ذرا پڑھتے چلو
اُس سے وعدہ بھی ہے فرصت بھی ہے دستور بھی ہے

اسی غزل کا ایک شعر اور بھی حافظہ میں محفوظ ہے، لیکن اس کا پہلا مصرع کسی قدر بھول رہا ہوں۔

.... آج مرے گھر رہ جاؤ
رات اندھیری بھی ہے بدلی بھی ہے گھر دور بھی ہے

لیکن یہ غزل مجھے شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری مرحوم کے ان دو دیوانوں میں جو دارالمصنفین کے کتب خانے میں موجود ہیں، نہیں ملی، کیا کوئی صاحبِ تحقیق و صاحبِ ذوق بتا سکتے ہیں کہ یہ غزل آسی تخلص کے کس شاعر کی ہے۔

پتہ دیکھئے

اگر آپ کے پتہ کے گرد سُرخ نشان ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ دو اشاعتوں کے بعد آپ کی میعادِ خریداری ختم ہو جائے گی مہربانی فرما کر "ہماری زبان" کی سالانہ قیمت مبلغ تین روپے منی آرڈر سے بھیجئے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ — منیجر

مرکزی اُردو لائبریری بھاگلپور

انجمن ترقی اُردو شاخ بھاگلپور کی مرکزی لائبریری کا پہلا مشاعرہ لائبریری ہال تاتارپور میں زیرِ اہتمام قدیم بزمِ سخن بھاگلپور ۲۷ر جولائی کی شام کو مقامی سب جج شری ننداکشور پرشاد صاحب نند کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں شہر اور بیرونِ شہر کے شعرا اور اہلِ ذوق سامعین کی خاصی تعداد شریک ہوئی۔ مشاعرہ کامیابی کے ساتھ تقریباً ایک بجے شب میں ختم ہوا۔ (محی الدین غنی جوائنٹ سکریٹری)

پنجاب میں اُردو

انبالہ، یکم اگست۔ یہاں لسانی اقلیتوں کے اسسٹنٹ کمشنر شری بی۔ کے متھرا سے پنجاب کی انجمن ترقی اُردو کے جنرل سکریٹری اوم پرکاش ملک نے ایک یادداشت کے ذریعے مطالبہ کیا ہے کہ پنجاب میں اُردو کو تیسری علاقائی زبان کا درجہ دیا جائے۔ شری اوم پرکاش ملک نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اُردو کو سابقہ حیثیت پر بحال کیا جائے اور اس کو پنجاب میں تیسری زبان تسلیم کیا جائے اور اسی فارمولا میں ایسی مناسب ترمیم کی جائے کہ اُردو بھی پنجاب میں ہندی اور پنجابی کے پہلو بہ پہلو پھل پھول سکے۔ (خلافت)

راجستھان کی انجمن اور ریاستی حکومت

راجستھان کی ریاستی انجمن ترقی اُردو ہند کے جنرل سکریٹری نے لسانی اقلیتوں کے اسپیشل آفیسر سے مندرجہ ذیل شکایتوں کے متعلق ایک وفد سے ملنے کے لئے فوری وقت متعین کرنے کی درخواست کی ہے :۔

(۱) ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کی اس یقین دہانی کے باوجود کہ نصابی کتابیں یکم جولائی تک مل جائیں گی ابھی تک وہ نہیں ملیں۔

(۲) نہ تو اُردو مدرسین کی ٹریننگ کا ابھی تک کوئی انتظام کیا گیا اور نہ اُردو میں تعلیم دینے والے مدرسین کا ایسی جگہوں پر تبادلہ کیا گیا جہاں واقعی ان کی ضرورت ہے۔

(۳) سنسکرت کو لازمی طور پر پڑھانے کے خلاف شکایات کا اب تک ازالہ نہیں کیا گیا۔

(۴) اسکول اور کالج لائبریریوں، اور پبلک لائبریریوں کے لئے ابھی تک نصابی کتابیں نہیں خریدی گئیں۔

(۵) اُردو کو تیسری اور [illegible] زبان کی حیثیت سے پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔

معاصر

اُردو۔ یوپی اور مغربی بنگال میں

ہندوستان میں اُردو کا حال بُرا ہے حکومت اس کی راہ میں روک بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔ سہ لسانی فارمولا کے آتے ہی اُردو پر تمام دروازے بند کر دئے گئے۔ یوپی میں اُردو کی جگہ سنسکرت کو لایا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ زبان قدیم زمانے میں بھی عوامی زبان نہ بن سکی۔ اور برہمنوں نے ہمیشہ اس کا دائرہ اپنے تنگ محدود رکھا۔ آج بھی چھ لاکھ گاؤں میں ایک گاؤں کی بھی مادری زبان سنسکرت نہیں۔ بنگلہ اور تامل پڑھ کر انھیں کسی خطے میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن سنسکرت کہاں بولی جاتی ہے کہ اسکولوں میں اس کی پڑھائی کا انتظام کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ ایک طبقہ کی مذہبی زبان کو فروغ ہو اور غیر ہندو طلبہ ہندوازم کا شکار ہو جائیں۔

بنگال میں بھی سہ لسانی فارمولا اُردو پر چھُری بن کر گرا ہے، وہاں بھی اسکولوں میں انگریزی کے بعد بنگلہ اور نیپالی زبان کا انتظام کیا گیا ہے۔ گویا بنگال میں اُردو جاننے والے فنا ہو گئے ہیں یا موجود نہیں مگر ان سے کسی بڑے جرم کا بدلہ لیا جا رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو کلکتہ میں مشرقی بنگال کی طرف سے ایک وفد لسانی اقلیتی کمشنر سے ملا اور اس نے ایک میمورنڈم پیش کیا۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ بنگال میں اُردو بولنے والوں کے کیا مسائل ہیں اور ان کے حل نہ ہونے کی وجہ سے انھیں کیا کیا دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ کلکتہ میں اُردو بولنے والوں کی تعداد دس لاکھ ہے۔ اس کے علاوہ ہوگلی ۲۴ پرگنہ اسلام پور، آسنسول، مرشدآباد میں بھی اُردو بولنے والوں کی تعداد کافی ہے۔

سابق وزیر اعلیٰ بی سی رائے کو بھی میمورنڈم پیش کیا گیا تھا انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ کریں گے۔ مگر وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے۔ موجودہ وزیر اعلیٰ نے بھی وعدہ پورا کرنے کا یقین دلایا مگر وہ بھی کچھ نہ کر سکے اور سہ لسانی فارمولے نے تو اُردو پر تعلیم کے تمام دروازے بند کر دئے۔ بنگال میں ایسے اسکول اور کالج کہاں ہیں جن میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہو۔ اس لئے یہ کہنا کہ جن اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہوگا وہاں اس کا سلسلہ جاری رہے گا اُردو کو ختم کرنے کے مترادف ہے اگر صرف کلکتہ میں اُردو بولنے والوں کی تعداد دس لاکھ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُردو میں ان کی تعلیم کا انتظام نہ ہو۔ یوپی کے اسکولوں میں محکمۂ تعلیم کا سرکلر ہیڈ ماسٹروں کے نام آیا ہے جس اسکول میں اُردو اور سنسکرت لینے والے بیس بیس طلبہ ہوں ان کو انہی کی زبان میں تعلیم دی جائے۔ بظاہر یہ ہدایت اُردو اور سنسکرت کو ایک سطح پر لے آتی ہے لیکن حکومت کی پرکاری کا پتہ اس وقت چلے گا جب اُردو لینے والے طلبہ سے کہا جائے گا کہ ان کی تعداد بیس نہیں ہوئی لہٰذا ان کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔ پھر کچھ طلبہ جائیں گے اور اُردو لینے کی خواہش کریں گے ان سے بھی یہی کہا جائے گا کہ بیس کی تعداد پوری نہیں ہوئی۔ لہٰذا اُردو کا کوئی انتظام نہیں۔ غرض شہروں میں بیس سے زیادہ طلبہ فرداً فرداً اُردو لینے کے لئے آئیں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا کہ اُردو کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا کیونکہ تعداد پوری نہیں ہوئی۔ اگر ماسٹر صاحبان اُردو کے طلبہ کا نام لکھتے رہیں تو شہروں میں ان کی تعداد بیس سے کہیں زیادہ ہو جائے گی، مگر وہ نام رجسٹر نہیں کرتے۔ بلکہ اردو طلبہ کی ٹولیاں دو دو چار چار کی تعداد میں جائیں گی اُن سے زبانی کہہ دیا جائے گا کہ بیس کی تعداد پوری نہیں ہو سکی۔ اس لئے اُردو کی پڑھائی کا کوئی انتظام نہیں ہوگا۔ اب رہے سنسکرت لینے والے طلبہ اسو اُن کی تعداد لکھی جائے گی، اگر نہ بھی لکھی جائے تب بھی سنسکرت کی کلاسیں کھول دی جائیں گی۔ کیونکہ اُردو کی نفی کے بعد تمام طلبہ سنسکرت لینے پر مجبور ہوں گے اور اُن کی تعداد بیس کیا سینکڑوں تک پہنچ جائے گی اور اُردو لینے والے طلبہ سے بھی کہا جائے گا کہ سنسکرت کی پڑھائی کا تو انتظام ہو گیا ہے اس لئے تم بھی سنسکرت پڑھو۔ یہ طلبہ بھی سنسکرت لینے پر مجبور ہوں گے اور سرکلر کے باوجود اُردو کی شہ رگ کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔

ہم سولہ سال سے یہ تماشہ دیکھ رہے ہیں کہ جب وزیروں کے سامنے کوئی میمورنڈم پیش کیا جاتا ہے تو وزیر صاحب اس پر غور فرماتے ہیں اور ہمدردی کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن اپنا وعدہ کبھی پورا نہیں کرتے۔ وزیر نہ وعدہ کرتا ہے اور مر جاتا ہے۔ دوسرا آتا ہے اور وعدہ کرتا ہے مگر ایفا کی نوبت نہیں آتی۔ کمزور اقلیتوں کی ٹریجڈی یہ ہے کہ انھیں جن لوگوں سے سابقہ پڑا ہے ان کا کوئی کردار نہیں، وہ پہلے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ انھیں یہ کرنا ہے۔ اس کے بعد وہ خود سے بھی ملتے ہیں میمورنڈم بھی قبول کرتے ہیں، وعدہ پر وعدہ فرماتے ہیں مگر کیا مجال کہ اپنی من مانی کرنے سے باز آجائیں یہ کیر کٹر کی کمی ہندوستان کو نہ معلوم کہاں لے جا کر چھوڑے گی۔ اُردو والے سب کچھ حاصل کر سکتے تھے اگر حکمرانوں کا طبقہ باکردار ہوتا۔ مگر وہ بے کردار ہے اس لئے اُردو والے اس سے سو برس میں بھی نہیں جیت سکتے جب نیت یہ ہو کہ اُردو اسکولوں سے خارج کر دی جائے تو اس کی تکمیل بے کرداری کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ (باقی صفحہ ۱۱ پر)

یہ کچھ کرنے کا وقت ہے

(احمد سعید ملیح آبادی مدیر آزاد ہند)

اُتر پردیش میں سہ لسانی فارمولے نے ایک وحشت سی پھیلا دی ہے جس سے اُردو داں طبقہ لرزہ براندام ہے، پہلے تو اس طبقے کو ہندی کے جبر و تسلط نے آٹھ آٹھ آنسو رُلایا اور اب سنسکرت اس کے حلق میں ٹھونسی جا رہی ہے۔ اس صورت حال نے اُردو داں طبقے کے ہوش اُڑا دئے ہیں۔ اُردو والوں کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اب کیا کریں، کس طرح اس آفت سے جان بچائیں؟ ہندی کے جبری تسلط سے تو محض یہ خطرہ تھا کہ زبان کی ترقی رُک گئی ہے اور اُس کی جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔ سنسکرت کے نفاذ سے اندیشہ ہے کہ اُردو والوں میں جو مسلمان ہیں اُن کے بچوں کو اسکولوں میں ہندو دھرم کی تعلیم جبراً حاصل کرنا پڑے گی۔ سنسکرت ایک مذہبی زبان ہے، اس کا پورا سرمایہ ہندو دھرم کی تعلیمات سے لبریز ہے۔ اس زبان میں جو ابتدائی کورس تیار کیا جائے گا اسے بھی سنسکرت کے دھارمک خمیر سے جُدا کرنا دشوار ہے، اور بالفرض یہ صورت نہ پیش آئے، تب بھی اُردو تعلیم سے بے بہرہ رہنے والے مسلمان طلبہ اپنے مذہبی لٹریچر سے استفادہ نہ کر سکیں گے۔ ان خطرات نے اُتر پردیش کے اُردو داں طبقے کو بدحواس کر دیا ہے۔

سہ لسانی فارمولا قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے وجود میں آیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ اپنی مادری زبان کے علاوہ انگریزی اور کوئی جدید ہندوستانی زبان بھی سیکھیں۔ ابتدا میں اُتر پردیش میں اس فارمولے کے تحت یہ تجویز تھی کہ طلبہ کو ہندی اور انگریزی کے علاوہ جنوبی ہند کی کوئی ایک زبان لینا ہوگی۔ اس پر مرحوم مولانا حفظ الرحمان نے احتجاج کیا اور وزیر اعظم نہرو کو بھی مداخلت کرنا پڑی کہ جدید زبانوں میں اُردو بھی لی جا سکتی ہے۔ بعد میں یو۔پی کی حکومت نے جنوبی ہند کی کسی زبان کی شق بیچ سے نکال دی کیونکہ خود ہندی داں طلبہ بھی بالعموم اس کے خلاف تھے۔ ان کے لئے تامل تلگو پڑھنے کے بجائے اُردو لینا آسان تھا۔ حکومت یو۔پی نے اسی اندیشے سے کہ کہیں اس بہانے اُردو کی تعلیم کا رواج عام نہ ہو جائے، جنوبی ہند کی کسی زبان کو ہٹا کر اس کی جگہ سنسکرت رکھ دی۔ اس تبدیلی کے پیچھے یہ مقصد کارفرما ہے کہ اب ہندی داں طلبہ کو اُردو اور سنسکرت کے درمیان انتخاب کرنے میں اس لئے دشواری نہیں ہوگی کہ سنسکرت مذہبی زبان ہے اور قدیم تہذیب و روایات سے اس کا تعلق ہے، لہٰذا ہندی داں طلبہ سنسکرت کی تعلیم سے آسانی سے انکار نہیں کر سکیں گے۔

اُتر پردیش کے اُردو دوستوں نے کافی چیخ و پکار اس سلسلے میں کی ہے۔ لیکن اس بار بھی ان کا انداز وہی ہے جو ہندی کے جبر و تسلط اور اُردو کے دیس نکالا دینے کی کوششوں کے وقت تھا کہ وہ اپنا حق اور مطالبہ اتنی دبی زبان سے بیان کرتے ہیں کہ اُن کے دل کی کمزوری اُن کی آواز سے ظاہر ہو جاتی ہے اور کوئی ان کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ اب وقت آگیا ہے کہ اُردو والے صاف لفظوں میں اور عزم و ارادے کی پوری سختی کے ساتھ یہ اعلان کر دیں کہ سنسکرت ان پر زبردستی نہیں ٹھونسی جا سکتی اور اگر اس کی کوشش کی گئی تو وہ مقابلہ کریں گے۔ جنوبی ہند والے ہندی قبول کرنے کو آج تک تیار نہیں ہوئے ہیں، ہندی کی مخالفت میں انہوں نے اپنے جذبات نہ کبھی چھپائے اور نہ دھیمی آواز سے بولے۔ وہ نہ صرف ہندی کے مخالف ہیں بلکہ ایک بدیشی زبان انگریزی کے زبردست حامی ہیں۔ ان کے عزم تو یہ ہیں کہ ہندی کو ہٹا کر اور انگریزی کو برقرار رکھ کر ہی دم لیں گے۔ اُردو والے اس نا سمجھی میں مبتلا نہیں ہیں۔ انہوں نے ہندی کو خوشی خوشی قبول کر لیا۔ ان کی فریاد صرف اتنی ہے کہ ہندی کے ساتھ اُردو کو بھی باقی رہنے دیا جائے۔ لیکن جب بات بڑھتے بڑھتے، اور شاید اُردو والوں کی کمزوری ہی کی وجہ سے، سنسکرت تک جا پہنچی ہے تو پھر اب وہ وقت آگیا ہے کہ اُردو والے اپنی قسمت کا خود ہی فیصلہ کر لیں۔ وہ آخری طور پر یہ طے کر لیں کہ انہیں ہمیشہ جبر و تسلط ہی قبول ہے، یا اس سے انکار ہے، اگر انکار ہے تو پھر اُردو والوں کی طرف سے صاف اعلان ہونا چاہیے کہ وہ کسی حال میں بھی اور کسی عذر پر بھی اپنے بچوں کو جبراً سنسکرت نہیں پڑھانے دیں گے اور اس کے خلاف عدالتی چارہ جوئی سے لے کر عوامی سطح پر ہر وہ تحریک چلائیں گے جس کی اجازت آئین اور قانون دیتا ہے۔

نذیر بنارسی کو استقبالیہ

بنارس۔ ۲۹ر جولائی۔ اُردو شاعر مشہور نذیر بنارسی کو گزشتہ شام یہاں بہت سے سماجی، ادبی اور ثقافتی انجمنوں کی جانب سے اُن کی کتاب "گنگ و جمن" پر ریاستی حکومت کی طرف سے انعام ملنے کی خوشی میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔ نذیر بنارسی کا مجموعہ کلام "گنگ و جمن" حال ہی میں ہندی میں بھی شائع ہوا ہے۔ بنارس کے میئر مسٹر برج لال داس نے اس تقریب کی صدارت کرتے ہوئے ان کی شاعری کو سراہا۔

(قومی آواز)

مراسلات

لسانی رجعت پرستی

آج ہمارے ملک میں ایک بڑی گھناؤنی قسم کی ذہنیت پرورش پا رہی ہے اور یہ ذہنیت ہے لسانی رجعت پرستی کی سنسکرت کے احیاء کے پیچھے، دراصل یہی ذہنیت کارفرما ہے۔ سنسکرت، بلاشبہ ایک عظیم زبان ہے، علمی زبان ہے، اور بہت کچھ ہے۔ مگر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا یہ عوامی زبان بھی ہے یا نہیں۔ اور اس کا جواب ایک پُر زور "نہیں" ہے۔ سنسکرت ہمیشہ خواص کی زبان رہی ہے۔ اس کے زبان مروڑ تلفظ (tongue twister) اس کی پیچیدہ قواعد ۔ عوام میں اس کی سکت کہاں؟ اور پھر ہمیں یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ سنسکرت کی قدرتی موت کے اسباب کیا تھے، سنسکرت سے پیدا شدہ مختلف عوامی بولیاں (dialects) زبانوں میں کیونکر تبدیل ہو گئیں، سنسکرت الفاظ کی شکلیں بدلتی کیوں چلی گئیں، پالی، پراکرت وغیرہ اور سنسکرت میں اتنا زیادہ "تلفظی بُعد" کیوں پیدا ہوا۔

خیر، صرف سنسکرت زبان کو زندہ کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر زبردستی ٹھونسی گئی تو اسے لسانی آمریت کے خطاب سے نوازا جائے گا۔ افسوس تو اس کا ہے کہ عوامی زبانوں کو رجعت پرستی کی پُر خار وادی میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ اب اسی "بنارس" کو لے لیجئے۔ سنسکرت میں "وارانسی" تھا۔ پالی زبان نے اسے کاٹ چھانٹ کر "بنارس" بنا دیا تھا۔ اب اسے پھر "وارانسی" بنا دیا گیا ہے۔ قدیم بنگلہ زبان میں "بوہی" (بہی، کھاتہ) تھا۔ عوام نے اسے "بولی" بنا دیا۔ اب رجعت پرستوں نے "پھر" "بوہی" لکھنا شروع کر دیا ہے۔

ع ب پ ایک خطِ مستقیم ہے،

ع ———————— پ

ب

ایک شخص مقام ع سے چل کر مقام ب تک آتا ہے۔ آپ اُسے اُٹھا کر پھر مقام ع پر رکھ دیتے ہیں۔ وہ پھر چلنے لگتا ہے۔ اور جب کہ اسے مقام پ پر ہونا چاہیئے، وہ ب پر کھڑا نظر آئے گا۔

زبان کی قدرتی ترقی کی راہیں اسی طرح مسدود ہوتی ہیں!

(اقبال کرشن)

"بزمِ ادب" سمری بختیار پور

۳۰ دسمبر ۱۹۶۲ء کو "بزمِ ادب" (علاقائی شاخ انجمن ترقی اُردو ہند) سمری بختیار پور (مونگیر۔ بہار) کا انعقاد ہوا۔ یوں تو انجمن کی تشکیل چند ماہ پیشتر ہی ہو چکی تھی، لیکن باضابطہ نیا انتخاب ۳۰ دسمبر ۶۲ء کو ہی ہوا۔

۱۹ مئی ۱۹۶۳ء کو ایک عظیم الشان اُردو کانفرنس اور مشاعرے کا انعقاد ہوا جس میں بہار کے مایۂ ناز شعرائے کرام، مقررین اور تقریباً دس ہزار اُردو نواز شریک ہوئے۔

ان دنوں بزمِ ادب کے زیرِ نگرانی علاقے میں لائبریری اور دارالمطالعہ قائم کیا جا رہا ہے۔ نیز جلد ہی ایک ماہانہ رسالہ کا اجراء ہو رہا ہے۔ (جنرل سکریٹری بزمِ ادب)

قاضی عبدالغفار کے متعلق معلومات

ناظرین سے گزارش ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس قاضی عبدالغفار مرحوم کے خطوط یا قلمی تحریریں ہوں یا ان کے ذہن میں کچھ ایسی یادداشتیں محفوظ ہوں جو قاضی صاحب کی شخصیت کے کسی پہلو پر روشنی ڈال سکیں اور اُن کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں معاون ہو سکیں تو براہِ کرم مندرجہ ذیل پتہ پر مطلع فرمائیں۔

(اگر کوئی صاحب کسی ایسے آدمی کا پتہ عنایت فرمائیں گے جو قاضی صاحب کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں معاونت کر سکے تو یہ بھی عنایت ہوگی)۔

محمد علی کاظمی۔ ۲۷۔ آفتاب ہوسٹل۔ علی گڑھ

شعرائے کرام سے التماس

"اے جنتِ کشمیر" کے نام سے میں ایک شعری مجموعہ مرتب کر رہا ہوں جو چند ماہ میں منظرِ عام پر آ جائے گا۔ شعرائے کرام سے التماس ہے کہ وہ اس موضوع پر اپنی نظمیں جلد از جلد مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرما کر مجھے شکریہ ادا کرنے کا موقع دیں۔

کتاب چھپنے پر اس کی ایک ایک جلد اُن تمام فن کاروں کی خدمت میں اعزازی طور پر ارسال کی جائے گی جن کی تخلیقات اس میں شامل ہوں گی۔

عابد مناوری، ۱۵ کرن کول۔ سری نگر نمبر ا

یا (۱۶)۔ گاندھی نگر جموں (کشمیر)

بقیہ: اُردو۔ یو۔پی اور مغربی بنگال میں

ں لوگوں کا کیرکٹر مضبوط ہوتا ہے ان کا ظاہر و باطن بھی
یک ہوتا ہے۔ وہ مارتے ہیں تو تھپکی نہیں دیتے۔ تھپکی دیتے
یں تو مارتے نہیں۔ مگر یہ لوگ تھپکی دے کر اُردو کو مارنا
چاہتے ہیں۔ اور جب وہ ان سطور کو دیکھیں گے تو ضرور
محسوس کریں گے کہ بات تو ٹھیک ہی کہی گئی ہے مگر کیا
کریں مارنے کے لئے تھپکی دینا بھی ضروری ہے۔ اگر ہم
ایسا نہ کریں تو حکومت کرنا بھی خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔

(روزنامہ دعوت دہلی)



آزاد کی صاحبزادی کی شادی میں مشاعرہ

دلّی، ۶ر اگست گزشتہ ہفتے جناب جگن ناتھ آزاد کی دختر نیک اختر کی شادی کی تقریب جانکیہ پوری نئی دلّی میں تزک و احتشام کے ساتھ ہوئی۔ اس موقع پر انجمن تعمیر اُردو دلّی کی جانب سے استقبال و آمد بارات سے قبل ایک مختصر بزم مشاعرہ منعقد کی گئی تھی۔ مشاعرے کی صدارت پروفیسر آل احمد سرور صاحب نے فرمائی۔ مشاعرے میں نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، حافظ محمد ابراہیم، پروفیسر ہمایوں کبیر، لالہ شام ناتھ، جنرل شاہ نواز خاں، جناب محمد محی الدین، شریمتی تارکیشوری سنہا صاحبہ، کرنل بشیر حسین زیدی، چودھری برہم پرکاش، جناب نورالدین احمد میئر دہلی، ڈاکٹر سید عابد حسین، بیگم انیس قدوائی، بیگم ڈاکٹر کچلو، شری و شریمتی وی شنکر، جناب رحمت قدوائی، سردار مہربان سنگھ دھوبیہ، پیر ضامن نظامی، صاحبزادہ محسن فاروقی، مفتی شوکت فہمی، ڈاکٹر ہری ونش رائے بچن، شری ایس بی بھاٹیہ وغیرہم شامل تھے۔ بزم مشاعرے میں مندرجہ ذیل شعرا نے شرکت کی۔

ساغر نظامی، غلام ربانی تاباں، علی جواد زیدی، بسمل سعیدی ٹونکی، رتن موہن ناتھ زتشی خاطر دہلوی، ستیش چندر سکسینہ، طالب دہلوی، زکیہ سلطانہ نیئر، ساحر ہوشیارپوری، ڈاکٹر محمد قادری، اسود گورکھپوری، گلزار زتشی دہلوی، نریش کمار شاد، حسن نعیم، کیلاش ماہر، این بی سکسینہ، سیین ناشاد، بہار برنی، رام کرشن مضطر، طالب چکوالی، گوہر سیلانی، صابر ابوہری، شہریار پرواز، بانی ایم اے، برج لال رعنا جگی، خان غازی کابلی، ہیرالال فلک، نصرت گوالیاری اور دلیپ بادل وغیرہ۔

اختتام پر جناب گلزار دہلوی نے انجمن کی جانب سے بالخصوص اور جملہ اُردو ادبا، شعرا کی طرف سے بالعموم، جناب پروفیسر تلوک چند محروم اور جگن ناتھ صاحب آزاد کو ہدیہ مبارکباد پیش کیا اور شرکائے تقریب مشاعرہ کا شکریہ ادا کیا۔

مسلم لائبریری بنگلور

مسلم لائبریری بنگلور کا سالانہ اجلاس بروز اتوار مورخہ ۲۸ر جولائی زیر صدارت عیسیٰ ستار سیٹھ صاحب منعقد ہوا۔ جناب بی اے احمد سعید صاحب کے تلاوت کلام پاک سے جلسہ شروع ہوا۔ محمد زین العابدین سکریٹری نے سالانہ رپورٹ اور حسابات آمد و خرچ ۶۳-۱۹۶۲ء پیش کئے جس کی منظوری ہوئی نیز تخمینہ آمد و خرچ برائے سال ۶۴-۱۹۶۳ء کی سماعت و منظوری ہوئی۔ ٹرسٹ بورڈ کی سالانہ رپورٹ اور حسابات آمد و خرچ کی تفصیل بھی سنائی گئی۔ اس کے بعد عہدے داروں اور اراکین مجلس منتظمہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر محترم نے اپنی صدارتی تقریر میں لائبریری کی پچاس سالہ ادبی و علمی خدمات کو سراہا۔

اجلاس میں منصور علی خاں صاحب نائب وزیر مائنس اینڈ جیولاجی میسور، ایچ۔ آر عبدالغفار صاحب نائب وزیر فینانس میسور، محمد اسمٰعیل صاحب تابش مدیر روزنامہ پاسبان اور سید غوث محی الدین صاحب مدیر الکلام بھی شریک تھے۔

(کے محمد زین العابدین۔ سکریٹری)

ویرمگام میں جامعہ اُردو کا سنٹر

ویرمگام ضلع احمد آباد میں پچھلے پندرہ برس سے اُردو تعلیم کا سلسلہ قطعی مفقود ہو چکا ہے اُس پر طرہ یہ کہ سماجی و کاروباری ماحول سرتاسر گجراتی۔ ایسے صبر آزما حالات میں انجمن ترقی اُردو کی مقامی شاخ کا آغاز ہوا اُس نے دو سال کی مدت میں امتحانات جامعہ اُردو کا سنٹر قائم کیا اور دوسرے کاموں میں سرگرم عمل ہے۔

توقع ہے کہ نومبر ۶۳ء کے سالانہ امتحانات کے لئے یہاں سے اچھی خاصی تعداد میں امیدوار شریک امتحان ہوں گے۔

انجمن امتحان گاہ کے لئے مقامی، پرائمری و سکنڈری اسکول کے۔ بی۔ شاہ ونئے مندر کے پریسیڈنٹ، وائس چیرمین و ہیڈ ماسٹر صاحبان شری بی۔ آر۔ پریکھ (M.L.A)، شری چمن بھائی و شری ہمت بھائی کی از حد ممنون ہے۔

امیدواروں کے لئے نصاب کی کتابوں کا انتظام انجمن کی قائم کردہ "علامہ اقبال لائبریری" کی جانب سے کیا گیا ہے اور ایک شبینہ مدرسہ کا اہتمام بھی کیا جا رہا ہے جس کی خدمت انجمن کے آنریری جنرل سکریٹری مولانا عبدالقادر مخلص انجام دیں گے۔ انجمن کی جانب سے سہ ماہی نصاب کے تحت ایک اور شبینہ مدرسہ انجمن کی مجلس انتظامیہ کے رکن جناب محمد ظہیر دوست کی خدمات تدریس کی وجہ سے چل رہا ہے۔ مسلم و ہندو طلبہ اچھی خاصی تعداد میں اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

(پروپیگنڈا سکریٹری)

تبصرے کے لئے
ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں

مالک انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو علی گڑھ سے شائع کیا